اسلام کے فلسفہ سیاست کی بنیادیں

(۵)

از جناب ڈاکٹر ماجد علی خاں لکچرار اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

۱۱۔ اسلامی ریاست کی نوعیت
NATUTE OF ISLAMIC STATE

دینی یا اسلامی حکومت کی تعریف اس طرح کیجا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی اس جماعت کا نام ہے جو قانونی استحقاق کی بنا پر اسلامی احکام کو نافذ کرے۔ اس طرح مسلمانوں کی وہ حکومتیں جو اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کرتیں۔ دینی یا اسلامی حکومت نہیں کہلائی جا سکتیں اگرچہ ان کا نام "اسلامی حکومت" یا "اسلامی جمہوریت" ہی کیوں نہ ہو۔

فقہاء اسلام دینی یا اسلامی حکومت کو "امامت کبریٰ" یا "امامت عظمیٰ" یا خلافت عظمیٰ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری تحریرات میں اکثر خلافت یا امامت سے دینی حکومت یا اسلامی حکومت ہی مراد لی جائے گی اور خلیفہ یا "امام" سے رئیس حکومت اسلامیہ۔

السید محمد رشید رضا مصری تحریر کرتے ہیں۔

الخلافة والامامة العظمى و إمارة المؤمنين ـ ثلاث كلمات معناها واحد وهو رئاسة الحكومة الاسلامية الجامعة ـــــ	"خلافت، امامت عظمیٰ اور امارت مومنین تین الفاظ ہیں جن کا مطلب ایک ہی ہے یعنی اسلامی حکومت کی وہ سرداری جو دین دنیا دونوں کی مصلحتوں کی

المصالح الدين والدنيا۔　　حاصل ہو" [۱]

علامہ تفتازانی تحریر کرتے ہیں۔

"....الامامة وهى رئاسة عامة فى امرالدين والدنيا خلافة عن النبى صلى الله عليه وسلم"

"امامت دراصل ریاست عامہ ہے۔ جو دینی و دنیوی امور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہے" [۲]

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (م ۴۵۰ھ) اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں فرماتے ہیں ۔

"الامامة موضوعة لخلافة النبوة فى حراسة الدين وسياسة الدنيا"

"دین اور دنیوی امور کی سیاست کی حفاظت کے لئے امامت دراصل خلافت نبویہ کی اقامت کا نام ہے" [۳]

علامہ ماوردی کے بعد میں آنے والے اہل سنت والجماعت کے فقہاء نے ان کی تعریف سے اتفاق کیا ہے۔ اس طرح دینی حکومت (یا امامت عظمیٰ) ایک ایسی ریاست عامہ کا نام ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قانونی خلافت سے حاکمانہ بالادستی حاصل کرتی ہے اور "دنیا و دین کی اجتماعی سرگرمیوں میں اپنی عظمت وطاقت کا اس طرح اظہار کرتی ہے کہ اس میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف نمایاں ہوں"

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"خلافت (عامہ) وہ ریاست عامہ ہے جو (بذریعۂ) علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور (بذریعہ) ارکان اسلام کے قائم کرنے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات

---

[۱] الخلافۃ والامامۃ العظمیٰ ص۱۰　[۲] ایضاً ص۱۰　[۳] الاحکام السلطانیۃ ص۳

جہاد کے قائم رکھنے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا مال غنیمت کو اُن پر تقسیم کرنا اور (بذریعہ) عہدۂ قضا کے فرائض انجام دینے اور (حدود کے قائم کرنے اور (مظالم کے دور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے اور بُرے کاموں سے منع کرنے سے) بحیثیت نائب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بالفعل (حاصل ہوتی) ہو"۔ [۱]

حضرت شاہ صاحب آگے تحریر فرماتے ہیں:-

"(خلافت کی جو تعریف کی گئی اس میں) ریاست عامہ کے لفظ سے وہ علماء خارج ہو گئے جو علوم دینیہ کی تعلیم دیا کرتے ہیں (کیونکہ اُن کو ریاست عامہ نہیں حاصل ہوتی) اور شہر کے قاضی اور لشکر کے افسر بھی خارج ہو گئے جو خلیفہ کے حکم سے ان کاموں کو انجام دیتے ہیں (کیونکہ ان کو بھی ریاست عامہ نہیں حاصل ہوتی) اور قرن اول میں وعظ ونصیحت کرنا بھی خلافت کا ایک ضمیمہ تھا (جیسا کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وعظ نہ بیان کرے مگر حاکم وقت یا اُس کا مقرر کیا ہوا کوئی شخص اور ان دونوں کے علاوہ جو شخص وعظ کہے وہ ریاکار ہے۔ اور دین قائم رکھنے کے لفظ سے وہ جابر اور ظالم بادشاہ خارج ہو گئے جو ملک پر حکومت اور غلبہ حاصل کر کے غیر مشروع طریقہ سے خراج وصول کرتے ہیں اور بالفعل کے لفظ سے وہ شخص خارج ہو گیا جو (اگرچہ) کامل طور پر دین قائم رکھنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اور اپنے ہمعصر لوگوں سے افضل بھی ہو لیکن بالفعل اس کے ہاتھوں سے کوئی کام امور مذکورہ میں سے انجام نہ پاوے۔ بس ایسا شخص خلیفہ نہیں

---

[۱] ترجمہ ازالۃ الخفاء ص۹

ہوسکتا جو (بقول شیعہ امام مہدی کی طرح) پوشیدہ ہوا ور جس کو فتح و غلبہ نہ حاصل ہوا اور بحیثیت نائب صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء علیہم السلام کو خارج کردیتی ہے (کیونکہ وہ نبی تھے نہ کہ نائب نبی)، گو حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن میں خلیفہ کہا گیا ہے، مگر یہاں جس خلافت کی تعریف کی گئی ہے اُس سے بلا شبہ حضرت داؤدؑ خارج ہیں) کیونکہ بحث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی ہے اور حضرت داؤد خلیفۃ اللہ تھے (نہ کہ خلیفہ آنحضرتؐ) یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (اپنے لئے) خلیفہ اللہ کا لقب پسند نہ کیا اور فرمایا کہ مجھے خلیفۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرو۔" [۱]

جہاں تک امامت یا خلافت کے انعقاد (یعنی دینی حکومت کے قائم ہونے کا) سوال ہے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اس کے لئے رائے عامہ کا ہموار ہونا ضروری ہے۔

السید محمد رشید رضا مصری تحریر کرتے ہیں:۔

اتفق اھل السنۃ علی ان نصب الخلیفۃ فرض کفایۃ وان المطالب بہ اھل الحل والعقد فی الامۃ و وافقھم المعتزلۃ والخوارج علی ان الامامۃ تنعقد ببیعۃ اھل الحل والعقد۔	"اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا فرض کفایہ ہے اور اس کے لئے امت کے سمجھدار و عقلمند (اہل الحل والعقد) جوابدہ ہوتے ہیں معتزلہ اور ...... خوارج نے اُن سے (اہل سنت سے) اس پر اتفاق کیا ہے کہ سمجھدار اور عقلمند لوگوں کی بیعت سے امامت کا انعقاد ہوجاتا ہے۔" [۲]

---

[۱] ترجمہ ازالۃ الخفاء ص۱۰-۱۱ [۲] الخلافۃ او الامامۃ العظمیٰ ص۱۱

علامہ ماوردی تحریر کرتے ہیں

والامامۃ تنعقد من وجھین احدھما باختیار اھل العقد والحل والثانی بعھد الامام من قبل ۔

"امامت کا انعقاد دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ (امت کے) سمجھدار اور عقلمند (اھل الحل والعقد) افراد اس کا انتخاب کریں اور دوسرا یہ کہ پہلے سے امام سے عہد لے لیا جائے" له

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے انعقاد خلافت پر ایک جامع اور تفصیلی بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :-

"خلافت منعقد ہونے کے طریقے :- خلافت چار طریقوں سے منعقد ہوتی ہے - پہلا طریقہ اہل حل وعقد یعنی عالموں اور قاضیوں اور سرداروں اور نامور لوگوں کا بیعت کر لینا ہے (انعقادِ خلافت کے لئے صرف انہی اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا کافی ہے) جو کہ باآسانی موجود ہو سکیں - تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں ہے - کیونکہ یہ محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کر لینا بھی (انعقاد خلافت کے لئے) مفید نہیں ہو سکتا - کیونکہ حضرت عمر رض نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا ہے - جس نے بدون مشورہ مسلمانوں کے لئے کسی سے بیعت کی تو اس کی بیعت نہ کیجائے بخوف اس کے کہ یہ دونوں (بحکم شریعت) قتل کر دئے جائیں گے (یعنی بے مشورہ بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا) حضرت صدیق رض کی خلافت کا

له الاحکام السلطانیۃ ص۴

انعقاد (اسی پہلے) طریقہ (پر یعنی اہل حل و عقد کے) بیعت کرلینے سے ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ (انعقاد خلافت کا) خلیفہ کا کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا دینا جو خلافت کی شرطوں کو جامع ہو یعنی خلیفہ عادل بمقتضائے خیر خواہی اہل اسلام ایک شخص کو ان لوگوں میں سے جو شرائط خلافت کے جامع ہو منتخب کرے اور لوگوں کو جمع کر کے (سب کے سامنے) اسکے استخلاف پر نص کر دے اور (مسلمانوں کو) اسکے اتباع کرنے کی وصیت کرے پس یہ شخص (جسکو خلیفہ نے خلافت کیلئے منتخب کیا ہے) ان تمام لوگوں میں سے جو جامع شرائط (خلافت) ہیں مخصوص ہو جائیگا اور قوم کو لازم ہوگا کہ اسی شخص کو خلیفہ بنائے۔ حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا تھا۔

تیسرا طریقہ (انعقاد خلافت کا) شوریٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ خلیفہ جامعین شرائط (خلافت) کی ایک جماعت میں خلافت کو دائر کر دے اور کہدے کہ اس جماعت میں سے جس کو (اہل مشورہ) منتخب کر لیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ پس خلیفہ کی وفات کے بعد (اہل شوریٰ) مشورہ کریں اور (اس جماعت میں سے) ایک شخص کو خلیفہ معین کر لیں اور اگر (خلیفہ سابق) اس کا انتخاب کیلئے کسی (خاص) شخص کو یا کسی (خاص) جماعت کو مقرر کر دے تو اسی شخص یا اسی جماعت کا انتخاب کرنا معتبر ہوگا۔

(حضرت عثمان رضی ذی النورین کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا) تھا کہ حضرت فاروق رضی نے خلافت کو چھ آدمیوں کے درمیان دائر کر دیا اور (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد) آخر الذکر کو (ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ معین کرنے کے لئے عبد الرحمن بن عوف رضی مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت ذی النورین رضی کو (خلافت کے لئے) منتخب کیا۔

چوتھا طریقہ (انعقاد خلافت کا) استیلا ہے (اس کی صورت یہ ہے کہ)

جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور کوئی شخص بغیر (اہل حل وعقد کے) بیعت کئے ہوئے) اور (بغیر خلیفہ سابق کے) استخلاف کے خلافت کو لیلے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ و جبر سے اپنے ساتھ کر لے (تو یہ شخص) خلیفہ ہو جائے گا۔ اور اس کا جو فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس کی بجا آوری سب لوگوں پر لازم ہوگی۔ اور اس (چوتھے طریقہ) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ استیلا کرنے والا (خلافت کی) شرطوں کو جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے (صرف) صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو (مزاحمت سے) باز رکھے۔ یہ قسم عندالضرورت جائز ہے۔ معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت کا انعقاد حضرت علیؓ (کی وفات) کے بعد اور حضرت امام حسنؓ کے صلح کرنے کے بعد اسی طرح سے (ہوا) تھا دوسری قسم یہ ہے کہ (استیلا کرنے والا خلافت کی) شرطوں کو جامع نہ ہو (اور خلافت میں) نزاع کرنے والوں کو بذریعہ قتال اور ارتکاب فعل حرام کے (مزاحمت سے) باز رکھے یہ (قسم) جائز نہیں ہے اور اس کا کرنے والا عاصی ہے۔ لیکن اس (خلیفہ) کے بھی ان احکام کو قبول کرنا واجب ہے جو شرع کے موافق ہوں۔ اور اس کے عامل اگر زکوٰۃ وصول کرلیں تو مال کے مالکوں سے (زکوٰۃ) ساقط ہو جائے گی اور اس کے قاضیوں کا حکم نافذ ہوگا اور اس (خلیفہ) کے ساتھ (شریک ہوکر کافروں سے) جہاد کر سکتے ہیں اور (چونکہ) اس (قسم کی خلافت) کا انعقاد بوجہ ضرورت کے ہے۔ (اس لئے اس قسم کے خلیفہ کو معزول نہ کریں گے) کیونکہ اس کے معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوں گی اور سخت فتنہ و فساد لازم آئے گا۔ اور (پھر) یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ ان مصائب

کا نتیجہ نیک ہو یا نہو (بلکہ) احتمال ہے کہ (اس) پہلے (خلیفہ) سے بھی زیادہ بدتر کوئی دوسرا شخص غالب ہو جائے۔ پس ایک موہوم اور احتمالی مصلحت کے لئے ایسے فتنہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔ عبد الملک بن مروان اور خلفائے بنی عباس میں سے پہلے خلیفہ کی خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا تھا۔" ؎۱

چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کے زمانے میں دستوری اور جمہوری حکومتوں کا رواج نہیں تھا اس وجہ سے نااہل رئیس مملکت اسلامی (یعنی خلیفہ) کو معزول کرنا ایک دشوار گزار مسئلہ تھا۔ اب جبکہ دستوری حکومتوں کا رواج ہے یہ بذریعہ انتخاب ہو سکتا ہے۔

شیخ فضل اللہ الاصفہانی (م ۹۲۰ھ) نے اپنی کتاب سلوک الملوک میں حضرت شاہ ولی اللہ رح کی طرح مندرجہ بالا چار صورتیں انعقاد خلافت کی لکھی ہیں جن میں سے اول مسلمانوں اور ارباب حل وعقد جو کہ علماء، فقہاء، رؤساء وغیرہ میں سے ہوں۔ کا اتفاق کر لینا ہے۔ ؎۲ حضرت علی رض کی خلافت کے انعقاد پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ فضل اللہ الاصفہانی نے لکھا ہے کہ "حضرت علی رض (کی) خلافت مدینہ منورہ میں موجود ارباب حل وعقد کے اجماع سے منعقد ہوئی جس کو بلادِ اسلام کے مسلمانوں نے تسلیم کیا۔ البتہ شام اور عراق میں ایک جماعت نے بیعت نہیں کی۔ ان کی یہ مخالفت، مخالفتِ باغیانہ تھی۔" ؎۳

اس طرح اگر مسلمانوں کی اکثریت کسی شخص کی امارت پر راضی ہو جائے تو اس کی امارت کو تسلیم کرنا ہوگا اگرچہ ایک گروہ مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

؎۱ ترجمہ ازالۃ الخفاء ص ۱۴-۱۶ ۔ ؎۲ سلوک الملوک ص ۴۳ ۔ ؎۳ ایضاً ص ۴۶

فقہاء اور محققین کے مندرجہ بالا خیالات کی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دینی یا اسلامی حکومت (اسٹیٹ) کی نوعیت دوسری حکومتوں سے مختلف ہے۔ اس میں رئیس مملکت کے انتخاب کے لئے تو عام مسلمانوں اور ارباب حل و عقد کی رائے کی رعایت ضروری ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت احکامات شرعیہ نافذ کرے اور قانون سازی میں شریعت کی پابند رہے اس طرح یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت نہیں ہے جس میں عوام کو قوانین میں تغیر و تبدل کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے اور اکثریت سیاہ و سفید کی مالک بن جاتی ہے۔ اسلام میں کتاب اللہ اور سنت کو ہمیشہ بالادستی حاصل رہتی ہے جس کی اطاعت اقلیت اور اکثریت حاکم و محکوم سب کو ہی یکساں طور پر کرنی ہوتی ہے۔ حکومت کا کوئی بھی قانون بنیادی طور پر کتاب اللہ اور سنت کے خلاف بنایا نہیں جا سکتا۔

اس لئے اسلامی طرز حکومت کو جمہوریت کے نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں" فلسفہ اجتماعیات کے مسلمان ماہرین میں سے ابن رشد اسلامی طرز حکومت کو "امامت کبریٰ" کا نام دیتا ہے ۵۱ امام ابن مسعود کاشانی حنفی "امامت عظمیٰ" کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں ۵۲ شیخ خلیل مصری مالکی "امامت عظمیٰ" کے نام کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام غزالی نے امامت کے لفظ پر اکتفا کیا ہے۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے "امامت عامہ" کو ترجیح دی ہے ۵۳

اسلام کے قانون مدنی کی مشہور کتاب شرح المواقف میں اسلام کے طرز حکومت

---

۵۱ ہدایۃ المجتہد لابن رشد قرطبی۔

۵۲ بدائع امام علاء الدین ابوبکر ابن مسعود کاشانی، آداب قاضی ج ص ۳

۵۳ تفسیر مظہری ج ص ۱۳۲۔

کو ریاست عامہ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔[۱] اور امام ابوالبقاء حنفی نے بھی اسی لفظ کو حق ترجیح دیا ہے ۔[۲]

بہرحال دینی یا اسلامی حکومت کا جو بھی نام دیا جائے اُس میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے ۔

(۱) رئیس مملکت (خلیفہ یا امیر یا امام یا صدر یا وزیر اعظم جو بھی عہدہ اس غرض کے لئے ہو اُس) کے انتخاب میں رائے عامہ کا دخیل ہونا۔ رائے عامہ کے دخل کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں ۔ موجودہ دور میں یہ بذریعہ انتخاب عامہ انجام پا یا جا سکتا ہے ۔

(۲) قوانین شریعت کا پوری طرح نفاذ ہو۔ نیز ضرورت پڑنے پر اگر ایسے امور کے لئے قوانین وضع کئے جائیں ۔ جن کی نظیر ما قبل میں موجود نہ ہو تو اُن قوانین کا استخراج شرعی اصول کے تحت ہو۔ قوانین کے وضع کرنے میں رائے عامہ دخیل نہیں ہو سکتی بلکہ اصولِ فقہ کو مدّ نظر رکھا جائے گا ۔ جس میں متعینہ حدود کے اندر "اجماع" و "قیاس" (فقہی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے) کی گنجائش ہے ۔

(۳) رئیس مملکت امور حکومت کو بذریعہ شوریٰ چلائے ۔ شوریٰ کی تشکیل میں رائے عامہ کا پورا احترام ہو جس کا موجودہ طریقہ انتخاب ہے ۔

(۴) ریاست کا مقصد نہ صرف انسانوں کی عام بھلائی ہو، اُن کی دنیوی ضروریات کی کفالت ہو۔ اُن کے لئے حلال روزی کا مہیا کرنا ہو، اُن کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہو ۔ بلکہ اخروی زندگی میں بھی ان کی کامیابی پیش نظر ہو۔ ان کی روحانی تربیت کا بھی انتظام ہو اور خدا پرستی کا جذبہ ہو جس کی طرف قرآن مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کرتا ہے :۔

---

[۱] الموافقات ج ۳ ص ۲۴۵ [۲] اسلام کا نظام حکومت ص ۳۳۹

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ہ (الحج ۴۱) یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکیوں (معروف) کا حکم کریں گے اور برائیوں (منکر) سے منع کریں گے۔

اس طرح اسلامی ریاست (State) کو ہم ایسی ریاست (State) کہہ سکتے ہیں جس میں اللہ کے بندوں کے ذریعہ اللہ کے بندوں کے فائدے کے لئے اللہ کی حکومت ہو: "Government of Allah by His Servants for the benefit of His Servants"

اس اعتبار سے اسلامی ریاست (State) ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے یہ نہ رواجی معنی میں جمہوریت (Democracy) ہے، نہ ہی تھیوکریسی (Theocracy) بلکہ اس کی نوعیت ایک ایسی ریاست عامہ "یا" عوامی ریاست" کی ہے جو قوانین الٰہیہ پر قائم ہو اور جس کو انسان بحیثیت خلفاء اللہ اس کے تفویض کردہ اختیارات کی بنیاد پر چلا رہے ہوں۔ موجودہ دور میں اس کو "خلافت عامہ" (Caliphatic Democracy) کے نام سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس موقعہ پر میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی انگریزی یا اردو تحریرات میں اگر کسی جگہ "اسلامی جمہوریت (Islamic Democracy) کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے میرا مطلب دراصل "خلافت عامہ" (Caliphatic Democracy) ہی ہے۔